(۲۵)

اصلاحِ اعمال کیلئے تین چیزوں کی ضرورت ہے
(۱) قوتِ ارادی (۲) صحیح اور پورا علم (۳) قوتِ عملی

(فرمودہ ۱۰؍جولائی ۱۹۳۶ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

وہ مضمون جس کے متعلق گزشتہ کئی ہفتوں سے میں خطبات دیتا آرہا ہوں سوائے دو خطبوں کے کہ جن میں تھوڑے دنوں کیلئے اس مضمون کو بند کر دیا گیا تھا آج میں پھر شروع کرتا ہوں۔ مضمون یہ ہے کہ احمدیت کو جہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے عقائد کی اشاعت میں اس قدر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی ہے کہ ہماری جماعت کے دشمن بھی وہی عقائد رکھنے لگ گئے ہیں جو ہمارے ہیں اور جن پر کسی زمانہ میں وہ کفر کے فتوے لگایا کرتے تھے، وہاں اعمال کی اصلاح میں ابھی تک ہماری جماعت کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور نہ صرف یہ کہ دشمنوں کو ہم ابھی تک اپنا ہم رنگ نہیں بنا سکے بلکہ بعض احمدی بھی ایسے پائے جاتے ہیں کہ جو دشمنوں کے رنگ میں رنگین ہیں اور ان پر احمدیت کا رنگ ابھی تک نہیں چڑھا باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً [1] یعنی اللہ تعالیٰ کے رنگ سے بہتر اور کون سا رنگ ہے جس سے انسان اپنے آپ کو رنگے پھر بھی ہماری جماعت نے ابھی تک وہ رنگ اختیار نہیں کیا جس کے بغیر خدا تعالیٰ کا قُرب اور اس کی محبت انسان کو حاصل نہیں ہوسکتی۔

میں نے اس نقص کی وجوہ بیان کرتے ہوئے بتایا تھا کہ انسان میں ایک قوتِ مؤثرہ ہوتی ہے اور ایک قوتِ متأثرہ ہوتی ہے۔ اور پھر ان دونوں قوتوں کے معاون ہوتے ہیں اور کامیابی کیلئے صرف قوتِ مؤثرہ کا ہونا ضروری نہیں بلکہ قوتِ متأثرہ کا اس کے مطابق ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر قوتِ متأثرہ اس حد تک نہ ہو جس حد تک قوتِ مؤثرہ ہو تب بھی نتائج اطمینان بخش نہیں نکل سکتے اور اگر قوتِ متأثرہ اس حد تک نہ ہو جس حد تک قوتِ متأثرہ ہو تب بھی نتائج انسان کی امید کے مطابق نہیں نکل سکتے۔ میں نے بتایا تھا کہ قوتِ مؤثرہ جو قومی دماغ کی حیثیت رکھتی ہے جب کوئی بات عمل میں لانا چاہتی ہے تو انسان کی قوتِ ارادی کو حرکت میں لاتی ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے انسان میں ایک مادہ رکھا ہؤا ہے جو قوتِ ارادی کی بات کو مانتا اور اُسے تسلیم کرتا ہے جسے عبودیت بھی کہتے ہیں۔ اگر عبودیت کا مادہ انسان میں نہ ہو تو قوتِ ارادی کی موجودگی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ جیسے بعض ہاتھ مفلوج ہوتے ہیں دماغ حکم دیتا ہے کہ ہلو مگر وہ نہیں ہل سکتے، بعض پاؤں مفلوج ہوتے ہیں دماغ حکم دیتا ہے کہ چلو مگر وہ نہیں چلتے، بعض زبانیں مفلوج ہوتی ہیں دماغ حکم دیتا ہے کہ بولو مگر وہ نہیں بولتیں، اسی طرح بعض آنکھیں مفلوج ہوتی ہیں دماغ حکم دیتا ہے کہ دیکھو مگر وہ نہیں دیکھ سکتیں تو اگر قوتِ متأثرہ موجود نہ ہو یا بہت ہی کمزور ہو تو اُس وقت قوتِ مؤثرہ بیکار اور معطّل ہو جاتی ہے اور اگر قوتِ مؤثرہ بیکار اور معطّل ہو تو قوتِ متأثرہ کو چونکہ حکم دینے والا کوئی نہیں رہتا اس لئے وہ جس طرح چاہتی ہے کام کرتی جاتی ہے اور اس وجہ سے ان کاموں کے مفید نتائج نہیں نکلتے۔ جیسے ہر گھر میں ماں باپ بچوں پر حکومت کرتے ہیں اب اگر بچے اپنے ماں باپ کے حکموں کو نہ مانیں تب بھی گھر کا امن قائم نہیں رہ سکتا اور اگر ماں باپ میں عقل نہ ہو اور وہ بچوں کی صحیح تربیت اور ان کی نگرانی نہ کر سکیں تب بھی امن نہیں رہ سکتا۔ تو اصلاحِ اعمال کیلئے دونوں قوتوں کا درست ہونا ضروری ہوتا ہے اور میں نے بتایا تھا کہ ہماری قوتِ مؤثرہ میں کوئی نقص نہیں اور اگر کسی کی قوتِ مؤثرہ میں کوئی نقص ہے تو بہت ہی کم ہے ورنہ ارادہ کے طور پر ہماری جماعت کے تمام افراد چاہتے ہیں کہ انہیں تقویٰ اور طہارت حاصل ہو، وہ اسلامی احکام کی اشاعت کر سکیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا قرب حاصل کر سکیں۔ پس ہماری قوتِ ارادی تو مضبوط ہے اور طاقتور ہے پھر بھی نتائج صحیح نہیں نکلتے تو یقیناً دو باتوں میں سے ایک

ضرور ہے۔ یا تو یہ کہ عمل کیلئے جتنی قوتِ ارادی چاہیئے اُتنی ہمارے اندر نہیں لیکن عقیدہ کی اصلاح کیلئے جتنی قوتِ ارادی کی ضرورت تھی وہ ہم میں موجود تھی اس وجہ سے عقائد کی اصلاح ہوگئی لیکن عملی اصلاح کیلئے چونکہ قوتِ ارادی کی ضرورت تھی اور وہ ہمارے اندر نہیں تھی اس لئے ہم اعمال کی اصلاح میں کامیاب نہ ہوسکے اور یا پھر یہ ماننا پڑے گا کہ ہماری عبودیت میں کچھ نقص ہے اور قوتِ متأثرہ مفلوج ہونے کی وجہ سے قوتِ مؤثرہ کے اثر کو قبول نہیں کرتی یا جن معاونوں کی اُسے ضرورت ہوتی ہے ان میں کمزوری ہے۔ اس صورت میں جب تک ہم قوتِ متأثرہ کا علاج نہ کرلیں کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ جیسے کوئی طالب علم کند ذہن ہوتا ہے وہ سبق پڑھتا ہے مگر یاد نہیں رکھ سکتا اس کا جب تک ذہن درست نہیں کرلیا جاتا اُس وقت تک خواہ اُسے کتنا سبق دیا جائے، کتنی بار اُسے یاد کرانے کی کوشش کی جائے وہ یاد نہیں رکھ سکے گا۔ پس ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے نیکی کے ارادے دماغ کے اس حصہ پر کیوں اثر نہیں کرتے جس پر اثر ہونے کے نتیجہ میں عملی اصلاح شروع ہوجاتی ہے اور ہمیں ان روکوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو اس رستہ میں حائل ہوتی ہیں۔

میں نے بتایا تھا کہ دو قسم کی روکیں ہیں جو اس رستہ میں حائل ہوتی ہیں۔ ایک قوتِ ارادی میں کمزوری اور دوسری قوتِ عمل میں کمزوری لیکن ان کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو دونوں طرف اپنا اثر ڈالتی ہے اور وہ یہ کہ علمی طور پر انسان میں کمزوری ہو کیونکہ ارادہ بھی علم کے مطابق چلتا ہے۔ مثلاً اگر کسی انسان کو یہ معلوم نہ ہو کہ ایک ہزار کا لشکر اُس کے مکان پر حملہ آور ہونے والا ہے بلکہ اُسے صرف اتنا معلوم ہو کہ ایک آدمی اس کے مکان پر حملہ کرے گا تو یقیناً جو تدابیر وہ اس حملہ کے دفاع کیلئے اختیار کرے گا وہ اس صورت سے مختلف ہوں گی جو اس صورت میں کرتا جب اُسے معلوم ہوتا کہ ایک ہزار آدمی اس کے مکان پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ تو علم کی کمزوری کی وجہ سے بھی نقص پیدا ہوجاتا ہے اور علم کی صحت قوتِ ارادی کو بڑھا دیتی ہے۔ جن لوگوں کو کبھی بوجھ اُٹھانے کا موقع ملا ہو وہ جانتے ہیں کہ بعض چیزیں ہلکی نظر آتی ہیں مگر ہوتی بوجھل ہیں ان کے اُٹھاتے وقت انسانی ہاتھ جھٹکا محسوس کرتا ہے۔ پہلے یہ سمجھ کر وہ ہاتھ ڈالتا ہے کہ یہ ہلکی چیز ہے مگر جب دیکھتا ہے کہ بھاری ہے تو کہتا ہے اوہ! یہ تو بھاری چیز تھی اور اس خیال کے آنے پر دوبارہ وہ اسی بھاری چیز کو اُٹھالیتا ہے۔ آخر دوبارہ اس

میں زائد طاقت تو نہیں آ جاتی۔ طاقت تو وہی ہوتی ہے جو پہلے تھی پھر وجہ کیا ہے کہ پہلی دفعہ وہ چیز اُس سے نہیں اٹھائی جاتی مگر جب دوسری دفعہ اُسے پتہ لگتا ہے کہ بوجھل ہے تو وہ اسے اٹھالیتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں ایک قوتِ موازنہ رکھی ہوئی ہے۔ وہ قوت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ فلاں کام کیلئے اتنی طاقت درکار ہے اور چونکہ ساری طاقت انسان کے ہاتھ میں نہیں ہوتی بلکہ دماغ میں محفوظ ہوتی ہے اس لئے جب دماغ اتنی طاقت بھیجتا ہے جتنی پہلی دفعہ قوتِ موازنہ طلب کرتی ہے تو انسان کے ہاتھ کو جھٹکا محسوس ہوتا ہے اور قوتِ موازنہ سمجھ جاتی ہے کہ میری غلطی تھی تب وہ دماغ کو اور طاقت بھیجنے کیلئے کہتی ہے اور اس طاقت کے آنے پر چیز بآسانی اُٹھالی جاتی ہے۔ مثلاً ایک چیز پڑی ہو جس کے متعلق انسان یہ سمجھتا ہو کہ یہ دس سیر وزنی ہے لیکن ہو بیس سیر کی تو چونکہ انسان اسے اس طاقت سے اُٹھائے گا جتنی طاقت دس سیر بوجھ اُٹھانے کیلئے ضروری ہوتی ہے اس لئے اس کے ہاتھ کو جھٹکا لگے گا۔ جھٹکا لگنے کے معاً بعد دماغ دس سیر بوجھ اُٹھانے کی اور طاقت بھیج دے گا اور وہ چیز اُٹھائی جاسکے گی۔ تو قوتِ موازنہ نے جو فیصلہ کیا اس کی غلطی کی وجہ سے انسانی ہاتھ کو جھٹکا لگا ورنہ طاقت تو اس میں اس بوجھ کو اُٹھانے کی پہلے سے تھی۔ وہ طاقت رکھتا ہے کہ بیس سیر بوجھ کو اُٹھالے لیکن قوتِ موازنہ جو دماغ کیلئے وزیر کی حیثیت رکھتی ہے کہا کہ دس سیر وزن کیلئے طاقت چاہئے تب دماغ نے اتنی ہی طاقت بھیج دی لیکن جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو قوتِ موازنہ کو اپنی غلطی محسوس ہوئی اور اس نے دماغ کو اطلاع دی کہ دس سیر مزید کے اٹھانے کی طاقت بھجوائی جائے تب وہ چیز بآسانی اُٹھالی گئی۔ بڑی بڑی چیزیں تو الگ رہیں چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے ہولڈر کی کیا حیثیت ہوتی ہے لیکن بعض ہولڈروں کے اندر سیسہ بھرا ہوتا ہے۔ اب جو شخص ایسے ہولڈر کو جس میں سیسہ بھرا ہوا ہو غلطی سے عام ہولڈر سمجھ کر اُٹھائے گا تو چونکہ جتنی طاقت کی ضرورت تھی اس سے وہ کم طاقت خرچ کرے گا اس لئے اندرونی طور پر وہ ایک جھٹکا محسوس کرے گا کیونکہ جب وہ اسے اٹھانے لگتا ہے تو جتنی طاقت کی ضرورت سمجھ کر اُٹھاتا ہے اس سے زیادہ کی ضرورت محسوس ہوجاتی ہے اور اس طرح اس کا ہاتھ جھٹکا محسوس کرتا ہے اور گو ہولڈر اٹھانے کیلئے وہ دوسری دفعہ ہاتھ نہیں ڈالتا بلکہ پہلی مرتبہ ہی اسے اُٹھالیتا ہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس کا بازو اندرونی طور پر یہ حِس محسوس کرتا ہے کہ مجھے پہلی

دفعہ اس ہولڈر کے اٹھانے میں کامیابی نہیں ہوئی بلکہ دوسری دفعہ میں نے اسے اٹھایا ہے۔ گو اس موقع پر پہلی اور دوسری کوشش میں ایک سیکنڈ کے سینکڑویں حصہ کا فرق ہوتا ہے اور دونوں میں امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے مگر فرق ہوتا ضرور ہے۔ یہ قوتِ موازنہ ہمیشہ علم کے ذریعہ آتی ہے خواہ علم اندرونی طور پر ہو خواہ بیرونی طور پر۔ اندرونی علم سے مراد مشاہدہ اور تجربہ ہے اور بیرونی علم سے مراد بیرونجات کی آوازیں ہیں جو کان میں پڑیں۔ مثلاً یہ علم کہ دس دشمن آرہے ہیں ان کے مقابلہ کیلئے تیار ہو جاؤ بیرونی ہے کیونکہ کان اسے سنیں گے اور دماغ کو سنائیں گے۔ لیکن جب دس سیر وزنی شَے اُٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھتے ہیں تو کوئی اسے نہیں کہتا کہ یہ دس سیر وزنی ہے بلکہ سابق تجربہ کی بناء پر قوتِ موازنہ آپ ہی اس کے بارہ میں فیصلہ کرتی ہے پس یہ علم اندرونی ہوتا ہے۔

اس تمہید کے بعد میں بتاتا ہوں کہ جب انسان اصلاحِ عمل کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو قوتِ موازنہ یہ فیصلہ کرتی ہے کہ مجھے اپنی جدوجہد کیلئے کس قدر طاقت کی ضرورت ہے۔ بعض دفعہ صحیح علم نہ ہو سکنے کی وجہ سے انسان اعمال کی اصلاح پر غالب نہیں آسکتا اور قوتِ موازنہ عدمِ علم کی وجہ سے اسے صحیح خبر نہیں دیتی کہ اس عملی اصلاح کیلئے کس قدر طاقت کی ضرورت ہے۔ جیسے ظاہر ہے کہ اگر کسی کو معلوم نہ ہو کہ فلاں چیز زہر ہے تو عدمِ علم کی وجہ سے قوتِ موزانہ اس کے کھانے سے ڈرائے گی نہیں لیکن اگر اُسے معلوم ہو کہ یہ زہر ہے تو پھر اس کی قوتِ موازنہ فیصلہ کرے گی کہ آیا اُسے زہر کھانا چاہیئے یا نہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص زندگی سے بیزار ہے، افکار و ہموم ہر وقت اس پر غالب رہتے ہیں اور وہ مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں رکھتا تو قوتِ موازنہ اسے کہے گی کھالو اچھا ہے مر کر ان جھگڑوں سے نجات تو ملے گی لیکن جو شخص زندہ رہنا چاہتا ہے اسے قوتِ موازنہ کہے گی کہ یہ زہر ہے اسے مت کھاؤ۔ یا فرض کرو کوئی ایسا زہر ہے جو پچاس فیصدی مُہلک ثابت ہوتا ہے اور پچاس فیصدی ایسا بھی ہوتا کہ لوگ بچ جاتے ہیں اب اگر کسی انسان کے سامنے اس قِسم کا زہر رکھ دے اور کہے کہ اگر یہ کھالو تو میں تمہیں ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا تو وہاں بھی قوتِ موازنہ اسے بتادے گی کہ کس حد تک اسے اس تجویز پر عمل کرنا چاہیئے اور کس حد تک نہیں۔ اگر زندگی اس کیلئے دوبھر ہے، اگر مشکلات و مصائب سے وہ گھرا ہوا ہے اور جینے سے سخت بیزار ہے تو قوتِ موازنہ کہے گی زہر کھالو اس میں کیا حرج ہے اگر بچ گئے تو روپیہ مل جائے

گا اگر مر گئے تو دنیا کے دھندوں سے جان چھوٹ جائے گی۔ لیکن اگر کوئی شخص ہمت والا ہے مشکلات پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے اور کمرِ ہمت توڑ کر نہیں بیٹھ جاتا تو اسے قوتِ موازنہ کہے گی پچاس فیصدی موت بھی تم کیوں قبول کرتے ہو اسے مت کھاؤ خواہ تمہیں کتنا ہی انعام ملنے کی لالچ دلائی جائے۔

غرض قوتِ موازنہ انسان کو ہوشیار کرتی ہے اور وہی عدم علم کی وجہ سے اسے غافل کرتی ہے اور پھر اسی عدمِ علم کی وجہ سے یا صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے گناہ صادر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک بچہ جب ایسے لوگوں میں پرورش پاتا ہے جو گناہ کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں جن کی مجلسوں میں ہر وقت یہ ذکر ہوتا رہتا ہے کہ (۱) جھوٹ کے بغیر تو دنیا میں گزارہ نہیں ہوسکتا (۲) جھوٹ ہی ہے جو تمام ترقیات کی کلید ہے (۳) آجکل بھلا کون سچ بولتا ہے (۴) اس زمانہ میں تو جھوٹ بولے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی تو ایسے فقرے سن سن کر اس کا علم صرف اسی حد تک محدود رہتا ہے کہ جھوٹ بولنا ایسی بری بات نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑے ہو کر جہاں اسے جھوٹ بولنے کا موقع ملے گا اور اپنی قوتِ موازنہ سے وہ فیصلہ چاہے گا کہ قوتِ موازنہ فوراً اسے کہہ دے گی کہ خطرہ زیادہ ہے جھوٹ بول لو اِس میں حرج ہی کیا ہے۔ یا مثلاً غیبت ہے وہ اپنے اِردگرد جب تمام لوگوں کو غیبت کرتے دیکھتا ہے تو بڑا ہو کر جب اس کے سامنے بھی کوئی غیبت کا موقع آتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے غیبت کی تو مجھے فائدہ پہنچ جائے گا تو قوتِ موازنہ اسے کہہ دیتی ہے کہ سارے ہی غیبت کرتے ہیں اگر تم بھی غیبت کر لو تو کیا حرج ہے گو یہ گناہ تو ہے مگر کوئی اتنا بڑا گناہ نہیں۔ یہی وہ امر ہے جس کے متعلق میں نے بتایا تھا کہ اصلاحِ اعمال میں ایک خطرناک روک یہ ہے کہ کہا جاتا ہے بعض گناہ بڑے ہیں اور بعض چھوٹے اس کی وجہ سے بعض گناہوں کو لوگ نہیں چھوڑ سکتے کیونکہ کہتے ہیں یہ تو چھوٹے ہیں ان کے کر لینے میں کیا حرج ہے۔ اس خیال کا اثر یہ ہوتا ہے کہ گو قوتِ موازنہ موجود ہوتی ہے مگر وہ اس غلط علم کی وجہ سے جو اُس نے ماحول سے حاصل کیا تھا انہیں اتنی طاقت نہیں دیتی جس طاقت کے نتیجہ میں وہ گناہ پر غالب آسکیں۔ جیسے میں نے بتایا ہے کہ اگر ایک چیز دس سیر یا بیس سیر وزنی ہو اور آدمی اسے پانچ چھ سیر وزن کی سمجھ رہا ہو تو خواہ اس میں دو من بوجھ اُٹھانے کی طاقت ہو پہلی دفعہ اس کے ہاتھ کو جھٹکا محسوس ہوگا اور وہ اسے نہ اُٹھا سکے

گا۔ پہلی دفعہ اس کے ہاتھ کو جھٹکا لگنا اور اس کا اس چیز کو نہ اُٹھا سکنا اس لئے نہ تھا کہ اس میں وہ چیز اٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ طاقت تو اُس میں اس سے بھی زیادہ بوجھ اٹھانے کی تھی جھٹکا اسے اس لئے لگا کہ قوتِ موازنہ نے غلط اندازہ کر کے دماغ کو کم طاقت بھیجنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح گناہوں کو مٹانے کی طاقت بھی انسان میں ہوتی ہے لیکن جب گناہ سامنے آتا ہے اور قوتِ موازنہ کہہ دیتی ہے اس گناہ میں کیا حرج ہے یہ تو معمولی گناہ ہے اور دوسری طرف فائدہ اس سے بہت زیادہ ہے تو دماغ اتنی طاقت اس گناہ کو مٹانے کیلئے نہیں بھیجتا جتنی بھیجنی چاہئے اور وہ اس گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

اب گویا اصلاحِ اعمال کیلئے تین چیزوں کی مضبوطی کی ضرورت ہوئی۔ ایک قوتِ ارادی کی مضبوطی کی ضرورت ہے، ایک علم کی زیادتی کی ضرورت ہے اور ایک قوتِ عملیہ میں طاقت کا پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔ علم کی زیادتی بھی درحقیقت قوتِ ارادی کا ہی حصہ ہوتی ہے کیونکہ علم کی زیادتی کے ساتھ قوتِ ارادی بڑھ جاتی ہے یا یوں کہو کہ عمل کرنے پر وہ آمادہ ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اصلاح کیلئے ہمیں تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ قوتِ ارادی کی طاقت کہ وہ بڑے بڑے کاموں کے کرنے کی اہل ہو، علم کی زیادتی کہ ہماری قوتِ ارادی اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتی رہے اور غفلت میں رہ کر موقع نہ گنوادے، قوتِ عملیہ کی طاقت کہ ہمارے اعضاء ہمارے ارادہ کے تابع چلیں اور اس کے حکم کو ماننے سے انکار نہ کریں۔ جب ہماری قوتِ ارادی مضبوط ہوگی وہ ایک زبردست افسر کی طرح اپنی طاقت اور قوت کے ساتھ جسم کی کمزوریوں پر غالب آکر اسے اپنے منشاء کے مطابق کام کرنے پر مجبور کر دے گی، جب علم صحیح ہوگا ہم ان ناکامیوں سے محفوظ ہو جائیں گے جو قوتِ موازنہ کی غلطیوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ وہ ایک اندازہ کام کا لگاتی ہے لیکن وہ اندازہ غلط ہوتا ہے اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور بعض دفعہ اصلاح کا موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور اس کام کیلئے دوبارہ کوشش فضول ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ عدمِ علم کی وجہ سے قوتِ ارادی فیصلہ ہی نہیں کر سکتی کہ اسے کیا کرنا چاہئے، اسی طرح جب قوتِ عملیہ مضبوط ہوگی تو وہ قوتِ ارادی کے ادنیٰ سے ادنیٰ اشارہ کو بھی قبول کرے گی جیسے کہ ایک چُست آدمی کو جب کوئی کام کہا جاتا ہے تو وہ فوراً کھڑا ہو جاتا ہے اور ایک سست آدمی کو کہا جاتا ہے کہ وہ اسی معمولی سے کام کو

بڑا بوجھ سمجھ کرسُستی کرتا ہے۔

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ قوتِ عملیہ کی کمزوری دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک حقیقی اور ایک غیر حقیقی۔ غیر حقیقی تو یہ ہے کہ قوت تو موجود ہو لیکن مثلاً عادت وغیرہ کی وجہ سے زنگ لگا ہؤا ہو اور حقیقی یہ ہے کہ ایک لمبے عرصہ کے عدمِ استعمال کی وجہ سے وہ مُردہ کی طرح ہوگئی ہو اور اسے بیرونی مدد اور سہارے کی ضرورت پیدا ہوگئی ہو۔ غیر حقیقی کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص میں مثلاً طاقت تو ایک من بوجھ اُٹھانے کی ہے لیکن بوجہ کام کرنے کی عادت نہ ہونے کے وہ اس بوجھ کو اٹھانے سے گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔ ایسا شخص اگر کسی وقت اپنی طبیعت پر دباؤ ڈالے گا تو اس بوجھ کو اٹھانے میں کامیاب ہوجائے گا اور حقیقی مثال یہ ہے کہ بوجہ دیر تک کام نہ کرنے کے کام کی طاقت ہی باقی نہ رہی ہو اور اب وہ مثلاً دس سیر بیس سیر سے زیادہ نہیں اٹھا سکتا ایسے شخص سے اگر ہم ایک من بوجھ اُٹھوانا چاہیں تو ہمیں اُسے کوئی مددگار دینا ہوگا یا اس کے بوجھ کو دس دس سیر کے حصوں میں تقسیم کرنا ہوگا۔ غرض جب طاقت کا خزانہ موجود نہ ہو اُس وقت بیرونی ذرائع اختیار کرنے پڑتے ہیں تا کہ جو کام سامنے ہے اسے پورا کر دیا جائے۔ یہی حالت بعینہٖ اعمال کی اصلاح کی ہے اور مختلف لوگوں کیلئے مختلف علاجوں کی ضرورت ہؤا کرتی ہے، بعض کیلئے قوتِ ارادی پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے، بعض کیلئے قوتِ عمل پیدا کرنا اور بعض کیلئے ایسی صورت میں جب وہ بوجھ زیادہ ہو اور ان کی طاقت برداشت سے باہر ہو بیرونی مدد کی ضرورت ہوتی ہے جیسے سَو من بوجھ اگر کسی کے سامنے پڑا ہؤا ہو اور وہ اٹھانا چاہے تو اس کیلئے کوئی قوتِ ارادی یا کوئی علم کام نہیں دے سکتا بلکہ باوجود قوتِ ارادی رکھنے کے اور باوجود یہ جاننے کے کہ یہ سَو من ہے وہ اسے ہلا بھی نہیں سکے گا۔ بیس سیر کے متعلق تو جب اسے معلوم ہوگا کہ یہ بیس سیر ہے میں غلطی سے دس سیر سمجھتا رہا تو وہ اسے اٹھالے گا کیونکہ بیس سیر اُٹھانے کی طاقت اس کے اندر موجود تھی۔ یا ایک انسان کے اندر قوتِ ارادی موجود ہے لیکن وہ اس سے کام نہیں لیتا تو اگر کسی دوسرے وقت وہ اپنی قوتِ ارادی سے کام لینا شروع کر دے تو وہ اسے فائدہ دے سکتی ہے۔ جیسے فرض کرو ایک بڑھیا عورت ہے جس کا ایک ہی بیٹا ہے جو میدانِ جنگ میں چلا گیا اور تھوڑے دنوں کے بعد خبر آئی کہ وہ مرگیا ہے۔ یہ بڑھیا عورت کسی دوسرے وقت بیمار پڑ جاتی ہے اور اپنے علاج کیلئے کوئی کوشش نہیں کرتی کیونکہ وہ کہتی ہے میرا اب

دنیا میں کون ہے جس کیلئے میں زندہ رہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس مایوسی کی وجہ سے اس کی بیماری بڑھتی چلی جاتی ہے۔ لیکن فرض کرو کہ اس کے بعد جبکہ وہ بالکل کمزور ہوچکی ہوتی ہے یکدم اُسے گورنمنٹ کی طرف سے تار پہنچتا ہے کہ تمہارا بیٹا زندہ ہے پہلے غلطی سے اس کی موت کی اطلاع تمہیں بھیجی گئی تھی اس تار کے ملتے ہی وہ بیماری کا مقابلہ کرنا شروع کردے گی۔ دوائیں اُسے موافق آنے لگ جائیں گی، غذائیں اس کے انگ لگنی شروع ہوجائیں گی اور وہ تھوڑے ہی دنوں میں اچھی بھلی ہوجائے گی۔ ایسے واقعات بکثرت دنیا میں ہوتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں میں طاقت تو موجود ہوتی ہے لیکن وہ اسے استعمال نہیں کرتے۔ بعض دفعہ اس کے اُلٹ مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔ مثلاً چند دن ہی ہوئے ایک عورت کو رات کے وقت سانپ نے کاٹا، اُس نے ایک معمولی کیڑا سمجھ کر پرواہ بھی نہ کی، وہ بالکل اچھی بھلی اپنا کام کرتی رہی لیکن دن کو اُسے معلوم ہؤا کہ جس چیز نے اُسے کاٹا تھا وہ سانپ تھا اور وہ فوراً مرگئی۔ یہ واقعہ بھی قوتِ ارادی کی طاقت کا ہے خود زہر شدید نہ تھا بوجہ ناواقفیت کے اس کی تمام قوتِ ارادی اپنا کام کرتی رہی لیکن جب اُسے معلوم ہؤا کہ کاٹنے والی چیز سانپ تھی تو اُس نے ہمت ہاردی اور خیال کیا کہ سانپ کے زہر کا مقابلہ نہیں ہوسکتا اور اس طرح ہتھیار پھینک دینے سے عورت کی ہلاکت واقع ہوئی۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص ملیریا سے بیمار ہے، کونین اس کے پاس موجود ہے، اس کا ارادہ بھی ہے کہ میں اچھا ہو جاؤں لیکن نقص یہ ہے کہ اسے علم نہیں کہ کونین ملیریا کو دُور کر دیتی ہے۔ اس عدمِ علم کی وجہ سے باوجود اس کے کہ اس کا دل چاہتا ہے میں اچھا ہو جاؤں وہ اچھا نہیں ہوسکے گا کیونکہ اسے علم نہیں کہ کونین ملیریا کو دور کرتی ہے اور اس وجہ سے وہ اس کا استعمال نہیں کرتا۔ یا ایک شخص کے پاس ایک مٹکا پڑا ہؤا ہے پہلے اس میں پانی تھا لیکن بعد میں ختم ہوگیا، یہ دیکھ کر کسی ہمسائے نے اس میں پانی ڈال دیا لیکن اُسے اس بات کا علم نہیں، اسے سخت پیاس لگی ہوئی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مٹکے میں تو پانی نہیں میں کہاں سے پیئوں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عدمِ علم کی وجہ سے باوجود مٹکے میں پانی موجود ہونے کے پیاسا رہتا ہے۔ مگر تیسری صورت یہ ہے کہ پانی ہے ہی نہیں جس سے وہ اپنی پیاس بجھا سکے۔ تمہیں کتنی ہی خواہش ہو کہ اگر پانی ملے تو میں اس سے اپنی پیاس بجھاؤں، تمہیں کتنا ہی علم ہو کہ پانی پیاس بجھانے کے کام آتا ہے لیکن اگر تم ایسے جنگل میں ہو

جس میں پانی کہیں ہے ہی نہیں تو پانی کہاں سے مل سکتا ہے۔ پس ایسے موقع پر ارادہ اور علم بھی باطل ہو جاتا ہے اور جب تک پانی نہ ہو انسان کا ارادہ اور اس کا علم اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ غرض یہ تین چیزیں ہیں جن کے ذریعہ ہم لوگوں کا علاج کر سکتے ہیں۔

بعض لوگوں کے اعمال میں کمزوری اس لئے ہوتی ہے کہ ان میں قوتِ ارادی نہیں ہوتی، بعض عمل میں اس لئے کمزور ہوتے ہیں کہ ان میں علم کی کمی ہوتی ہے اور بعض عمل میں اس لئے کمزور ہوتے ہیں کہ ان میں قوتِ عملی نہیں ہوتی۔ مؤخر الذکر لوگوں کیلئے جب تک بیرونی سامان مہیا نہ کئے جائیں اس وقت تک کچھ نہیں بن سکتا۔

قوتِ ارادی کیا چیز ہے؟ قوتِ ارادی کا مفہوم عمل کے لحاظ سے ہر جگہ بدل جاتا ہے اور جو میں مضمون بیان کر رہا ہوں اس میں قوتِ ارادی ایمان کا نام ہے۔ انسان کے دل میں اگر پختہ ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق ہو تو اس کے سارے کام آپ ہی آپ ہو جاتے ہیں اور کوئی مشکل ایسی نہیں رہتی جو آسان نہ ہو جائے۔ رسول کریم ﷺ پر جو لوگ ایمان لائے ان میں چور بھی تھے، ان میں ڈاکو بھی تھے، ان میں فاسق و فاجر بھی تھے، وہ ماؤں سے بھی نکاح کر لیتے تھے بلکہ ورثہ میں اپنی ماؤں کو لیتے اور اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیتے، پھر وہ جواری تھے، شراب خور تھے اور شراب پینے میں اپنی تمام عزت سمجھتے تھے، وہ ایک دوسرے پر اگر فخر کرتے تو اسی بات پر کہ میں اتنی شراب پیا کرتا ہوں، ایک شاعر اپنے اشعار میں فخر کرتا اور کہتا ہے میں وہ ہوں جو راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر شراب پیتا ہوں، وہ ایسے جواری تھے کہ جوئے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے پر فخر کرتے اور جب کسی نے اپنی بڑائی کا اظہار کرنا ہوتا تو کہتا کہ میں وہ ہوں کہ جو اپنا تمام مال جوئے میں لٹا دیتا ہوں، پھر مال آتا ہے تو پھر میں اُسے جوئے میں لٹا دیتا ہوں یہ ان کی ایمان سے قبل کی حالت تھی مگر جب وہ رسول کریم ﷺ پر ایمان لائے اور ان میں قوتِ ارادی پیدا ہوگئی تو انہوں نے نہایت قوی اور مضبوط دل سے فیصلہ کر لیا کہ اب ہم خدا کے فیصلہ اور اس کے احکام کے خلاف اپنا کوئی قدم نہیں اُٹھائیں گے۔ یہ فیصلہ انہوں نے اتنی مضبوطی، اتنی پختگی اور اتنے زور کے ساتھ کیا کہ اس مضبوطی کے مقابلہ میں ان کے اعمال کی کمزوریاں ایک لمحہ کیلئے بھی نہ ٹھہر سکیں۔ یکدم ان کے حالات بدل گئے اور وہ خدا تعالیٰ کیلئے ہر خطرناک سے خطرناک مصیبت اپنے نفس پر وارد

کرنے کیلئے تیار ہو گئے اور قوتِ ارادی نے ان کے اعمال کی کمزوری کو اس طرح پرے پھینک دیا جیسے ایک تنکا تُند سیلاب کے آگے بہہ جاتا ہے۔ شراب کا نشہ کتنا خطرناک ہوتا ہے جب کوئی شرابی شراب کے نشہ میں مدہوش ہو تو اُسے کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہا ہے، کئی اپنے ماں باپ کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں، کئی اپنے عزیزوں سے لڑائی اور فساد شروع کر دیتے ہیں، کئی یونہی بکواس کرتے چلے جاتے ہیں، کئی ننگے ہو جاتے ہیں، کئی ایسی باتیں کرتے ہیں کہ عقل قائم ہونے کے وقت اگر انہیں کوئی سنائے تو وہ کبھی یہ ماننے کیلئے تیار نہ ہوں کہ ان کے منہ سے اس قسم کی باتیں نکلی ہیں۔

ایک دفعہ میں ایک مضمون لکھ رہا تھا اور اپنے مکان کے اس حصہ میں تھا جو اس گلی پر واقع ہے جو ہمارے گھروں سے مسجد اقصیٰ کو آتی ہے اور جو مکان اِس وقت میاں بشیر احمد صاحب کے پاس ہے اس کے اوپر اُس وقت ایک صحن تھا اُس صحن میں ٹہل ٹہل کر میں مضمون لکھ رہا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے نیچے گلی میں سے مجھے کچھ آواز آئی مجھے معلوم ہوا کہ دو سکھ گلی میں سے گزر رہے ہیں۔ پہلے ان کے لہجہ اور پھر اُن کے ناموں کو سن کر مجھے یہ معلوم ہوُا کہ وہ سکھ تھے اب ان کے نام تو مجھے صحیح یاد نہیں لیکن ایسے ہی نام تھے جیسے سوجان سنگھ یا سورن سنگھ۔ بہر حال فرض کرو ایک کا نام سورن سنگھ تھا اور دوسرے کا نام سوجان سنگھ۔ میں نے سنا کہ ان میں سے ایک کہہ رہا ہے او سوجان سنگھا! توں پکوڑے کھانے ہیں؟ میں نے سمجھا کوئی دوست اپنے دوست سے پوچھ رہا ہے کہ کیا تم پکوڑے کھاؤ گے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد میں نے پھر سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے او سوجان سنگھا! توں پکوڑے کھانے ہیں؟ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پھر مجھے آواز آئی او سوجان سنگھا! تُوں پکوڑے کھانے ہیں؟ تب میں نے جھانکا کہ یہ کیا بات ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص جو گھوڑے پر سوار ہے وہ گلی میں سے گزر رہا ہے اور دوسرا شخص گلی کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہے اور کہتا جا رہا ہے۔ او سوجان سنگھا! توں پکوڑے کھانے ہیں؟ او سوجان سنگھا! تُوں پکوڑے کھانے ہیں؟ میں نے دیکھا کہ وہ جو گھوڑے پر سوار تھا وہ تو اُس وقت گلی کے نکڑ پر تھا اور دور جا چکا تھا مگر دوسرا شخص دیر تک وہاں بیٹھا یہی کہتا رہا او سوجان سنگھا! توں پکوڑے کھانے ہیں؟ او سوجان سنگھا! توں پکوڑے کھانے ہیں؟ تب میں سمجھا کہ یہ شرابی ہے عقل و ہوش سے کام لے کر یہ الفاظ منہ سے نہیں

نکال رہا۔

یہ تو خیر ایک زمیندار شرابی کا واقعہ ہے ایک دفعہ مجھے ریل گاڑی میں بھی ایسا ہی تجربہ ہؤا۔ میں امرتسر سے دہلی جانے کیلئے سوار ہؤا سیکنڈ کلاس کا میں نے ٹکٹ لیا مگر چونکہ دیوالی کا دن تھا اس لئے سخت بھیڑ تھی یہاں تک کہ سیکنڈ کلاس میں بھی چالیس کے قریب آدمی اکٹھے ہو گئے، اکثر کھڑے تھے اور کچھ اوپر کی سیٹوں پر بیٹھے تھے۔ میں سیکنڈ کلاس کے جس کمرہ میں داخل ہؤا اُس میں ایک دو جگہیں ابھی خالی تھیں لیکن جونہی میں داخل ہؤا ایک شخص نہایت تپاک سے مجھے ملا اور اُس نے دوسرے سے کہا آپ ایک طرف ہو جائیں اور انہیں بیٹھنے دیں۔ وہ ایک طرف کھسک گیا اور میں بیٹھ گیا اُس نے مجھ سے کچھ باتیں ایسی کیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھے جانتا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک اَور شخص آیا تو وہی شخص اس کی طرف متوجہ ہو گیا اور ایک شخص سے کہنے لگا دیکھتے نہیں ایک بھلا مانس آیا ہے تم اسے جگہ کیوں نہیں دیتے ایک طرف ہو جاؤ اور اسے بیٹھنے دو۔ یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ میرا واقف ہے یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ اُس نے مجھے بتایا اُس کا باپ پونچھ میں وزیر تھا اور حضرت خلیفہ اوّل سے بھی اُس نے اپنی واقفیت کا اظہار کیا جس سے مجھے معلوم ہؤا کہ اسے میرے نام وغیرہ سے واقفیت تھی لیکن ابھی اُس نے دوسرے آدمی کو بٹھایا ہی تھا کہ ایک تیسرا شخص آ پہنچا۔ یہ پھر ادھر متوجہ ہؤا اور اسی شخص سے جس کو اس نے نہایت تعظیم سے بٹھایا تھا سختی سے کہنے لگا دیکھتے نہیں ایک بھلا مانس کھڑا ہے اور تم اسے جگہ نہیں دیتے فوراً اس کیلئے جگہ بناؤ۔ تب میں سمجھا کہ یہاں خیریت نہیں کیونکہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ وہ مجھے جانتا ہو لیکن یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ جو بھی داخل ہوتا ہے اس کا یہ واقف ہو اور اس کے بیٹھنے کیلئے جگہ بنانا ضروری خیال کرتا ہو۔ اور جب جگہ نہ بنتی تو وہ سختی سے انہی کو ڈانٹنا شروع کر دیتا جن کو پہلے عزت سے بٹھا چکا ہوتا اور سوائے میرے کہ اُس نے مجھے اٹھنے کو نہ کہا جب بھی کوئی آتا فوراً دوسرے سے کہنا شروع کر دیتا دیکھتے نہیں ایک بھلا مانس آیا ہے اور تم اس کیلئے جگہ نہیں بناتے۔ تھوڑی دیر گزری تو پھر ایک اور شخص اندر داخل ہؤا وہ اسے دیکھتے ہی اس طرف متوجہ ہؤا اور کہنے لگا میں آپ کی کیا خاطر کروں؟ دو چار سیکنڈ کے بعد پھر کہنے لگا میں آپ کی کیا خاطر کروں؟ اس نے کہا آپ کی مہربانی۔ مگر یہ جواب سننے کے بعد وہ پھر کہنے لگا میں آپ کی کیا خاطر

کروں؟ جب اُس نے بار بار دہرانا شروع کیا کہ میں آپ کی کیا خاطر کروں تو میں سمجھا یہ شرابی ہے۔ اتنے میں پھر کوئی شخص ڈبہ میں آ گیا اِس پر وہ اُسی شخص سے جس کو کہہ رہا تھا کہ میں آپکی کیا خاطر کروں؟ نہایت سختی سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا دیکھتے نہیں ایک بھلا مانس آیا ہے اور تم اس کیلئے جگہ نہیں بناتے۔ وہ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھنے والا شخص تھا اور اس کا باپ پونچھ کا وزیر تھا مگر شراب کے نشے میں وہ ایسی باتیں کہنے لگ گیا جو عقل و ہوش قائم ہونے کی صورت میں کبھی نہ کہتا۔ تو شراب انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے اور اسے بالکل دیوانہ اور پاگل بنا دیتی ہے۔ مگر ایمان کی قوت ارادی کو دیکھو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہؓ ایک دفعہ ایک مکان میں جس کے کواڑ بند تھے بیٹھ کر شراب پی رہے تھے، اُس وقت تک شراب کی حُرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، ایک مٹکا شراب کا وہ ختم کر چکے تھے اور دوسرا مٹکا وہ شروع کرنے والے تھے کہ گلی میں سے ایک شخص کی یہ آواز اُن کے کانوں میں پڑی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ مجھ پر خدا کا حکم نازل ہوا ہے کہ آج سے شراب حرام کی جاتی ہے۔ جب یہ آواز ان کے کانوں میں پہنچی تو ایک شخص جو شراب کے نشے میں مدہوش تھا دوسرے سے کہنے لگا اٹھو دروازہ کھولو اور پتہ لو کہ یہ کہنے والا کیا کہتا ہے۔ سننے والوں میں سے ایک شخص نے چاہا کہ اُٹھ کر دروازہ کھولے اور پکارنے والے سے اس کے اعلان کی حقیقت دریافت کرے لیکن ایک اور شخص جوان کی طرح ہی شراب میں مخمور تھا اُٹھا اور اُس نے سونٹا پکڑ کر شراب کے مٹکے پر زور سے مار کر اُسے پھوڑ دیا۔ جب باقیوں نے پوچھا یہ تم نے کیا کیا پہلے پوچھ تو لینے دیتے کہ اس حکم کا مفہوم کیا ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ میں پہلے مٹکا توڑوں گا پھر حکم کی حقیقت پوچھوں گا[۲]۔ جب میرے کانوں نے یہ آواز سن لی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب منع کر دی ہے تو میں پہلے اس حکم کی تعمیل کروں گا پھر پوچھوں گا کہ کن حالات میں اور کن قیود کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے۔

کتنا عظیم الشان فرق ہے جو ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور دوسرے لوگوں میں نظر آتا ہے۔ چلے جاؤ گاؤں کی مجالس میں، چلے جاؤ شہروں کی گلیوں میں، چلے جاؤ بازاروں میں اور دیکھو کہ شرابیوں کی کیا حالت ہوتی ہے۔ نہ ان کی عقلیں ٹھکانے ہوتی ہیں، نہ فہم ٹھکانے ہوتے ہیں، نہ سمجھ ٹھکانے ہوتی ہے، اُن کی زبان بے قابو ہوتی ہے اور ان کے ہاتھ پاؤں غیر ارادی طور پر حرکت

کرتے رہتے ہیں۔ نہ انہیں باپ کی پروا ہوتی ہے نہ ماں کی، نہ گورنمنٹ کی پروا ہوتی ہے نہ اُستاد کی، مگر ایمان نے صحابہؓ کے اندر ایسی قوتِ ارادی پیدا کر دی کہ باوجود اس کے کہ وہ شراب کے نشہ میں مخمور تھے، باوجود اس کے کہ ایک شراب کا مٹکا وہ اپنے پیٹوں میں انڈیل چکے تھے اور دوسرا مٹکا پینے والے تھے جب انہیں آواز سنائی دیتی ہے کہ محمد ﷺ کہتے ہیں خدا نے شراب حرام کر دی ہے تو ان کا نشہ فوراً ہرن ہو جاتا ہے وہ پہلے شراب کا مٹکا توڑتے ہیں اور پھر اعلان کرنے والے سے دریافت کرتے ہیں کہ تُو نے کیا کہا تھا۔

یہ قوتِ ارادی ایسی چیز ہے کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد کوئی روک درمیان میں حائل نہیں رہ سکتی بلکہ ہر چیز پر قوتِ ارادی قبضہ کرتی چلی جاتی ہے۔ گویا قوتِ ارادی سے وافر حصہ رکھنے والے روحانی دنیا کے سکندر ہوتے ہیں کہ جس طرف اُٹھتے ہیں اور جدھر کا قصد کرتے ہیں شیطان ان کے سامنے ہتھیار ڈالتا چلا جاتا ہے اور مشکلات کے پہاڑ بھی اگر ان کے سامنے آئیں تو وہ اسی طرح کٹ جاتے ہیں جس طرح پنیر کی ڈلی کٹ جاتی ہے۔ پس اگر اس قسم کی قوتِ ارادی پیدا ہو جائے اور اس حد تک ایمان پیدا ہو جائے جس حد تک صحابہؓ کا ایمان تھا تو پھر لوگوں کو اصلاحِ اعمال کیلئے اور طریق اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ آپ ہی آپ اعمالِ حسنہ سرزد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں امریکہ میں شراب نوشی کے انسداد کیلئے حکومت نے کتنی کوششیں کیں لیکن چونکہ ایمان لوگوں کے دلوں میں نہیں تھا بلکہ ممانعتِ شراب کے پیچھے ایک قانون کام کر رہا تھا اس لئے یہ تحریک ناکام رہی۔ ہزارہا موتیں وہاں اس وجہ سے واقع ہوئیں کہ لوگ شراب پینے کے شوق میں سپرٹ پی لیتے۔ سالہا سال ایسا ہوتا رہا کہ چونکہ لوگوں کو پینے کیلئے شراب نہ ملتی اس لئے وہ سپرٹ پی لیتے اور سپرٹ میں چونکہ زہریلی چیزوں کی آمیزش ہوتی ہے اس لئے کئی اندھے ہو جاتے اور کئی مر جاتے۔ پھر امریکہ میں نصف سے زیادہ لوگ ایسے تھے جو باہر سے ناجائز طور پر شرابیں منگواتے اور پیتے۔ گورنمنٹ کا قانون تھا کہ ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ کے بغیر کسی شخص کو شراب نہیں مل سکتی اس قانون کی وجہ سے ہزاروں ڈاکٹروں کی آمدنیاں پہلے سے کئی گُنے بڑھ گئیں۔ وہ فیس لے کر سرٹیفکیٹ دے دیتے کہ فلاں شخص کا معدہ کمزور ہے یا اور کوئی ایسی بیماری ہے۔ اسے پینے کیلئے شراب ملنی چاہئے۔ غرض ہزاروں ڈاکٹروں کا گزارہ محض اس قسم کے

سرٹیفکیٹوں پر ہوگیا اور باوجود شراب نوشی کے خلاف قانون بن جانے کے لوگ کئی قسم کے حیلوں سے کوشش کرتے کہ کسی طرح قانون شکنی کریں لیکن محمد ﷺ کا بتایا ہوا قانون ابھی رائج نہ ہوا تھا، ابھی لوگ اس سے ناواقف تھے، صرف پہلا اعلان ہوا تھا کہ لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے اور لکھا ہے کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہتی پھرتی تھی یہ کتنا بڑا فرق ہے جو ہمیں نظر آتا ہے۔

امریکہ والوں کا دعویٰ ہے کہ اب نئی ترقی یافتہ نسل انہی کے ذریعہ دنیا میں قائم ہوگی، وہ دنیا میں ''سپر مین'' یعنی ترقی یافتہ نسلِ انسانی کہلاتے ہیں اور عام انسانوں سے اپنے آپ کو بالا سمجھتے ہیں لیکن باوجود اس بات کے کہ وہ محسوس کرتے ہیں شراب بُری چیز ہے، باوجود اس کے کہ قانون شراب پینے سے انہیں روکتا ہے، باوجود اس کے کہ حکومت انہیں منع کرتی ہے اور باوجود اس کے کہ ڈاکٹر بھی کہتے ہیں کہ شراب پینا بُری چیز ہے وہ شراب نہیں چھوڑ سکتے۔ ادھر وہ قوم ہے جسے جاہل کہا جاتا ہے، جسے جانگلی کہہ کر پکارا جاتا ہے اور جسے اَن پڑھ کہا جاتا ہے اس کے اندر ہمیں اس قدر اخلاقی قوت نظر آتی ہے کہ وہ جونہی سنتے ہیں کہ محمد ﷺ نے شراب سے منع کیا ہے اُسی لحظہ شراب پینا ترک کر دیتے ہیں۔ یہ وہ ایمان ہے جس نے صحابہ کو ممتاز کیا۔ امریکہ کے لوگوں کے سامنے صرف قانون تھا لیکن محمد ﷺ کے صحابہؓ کے سامنے ایمان تھا اسی وجہ سے امریکہ باوجود یہ تسلیم کرنے کے کہ شراب بُری چیز ہے اسے چھوڑنے میں ناکام رہا اور صحابہؓ باوجود اَن پڑھ ہونے کے شراب کے چھوڑنے میں کامیاب ہوگئے۔ غرض اگر کسی انسان کے اندر مضبوط قوتِ ارادی ہو تو ساری روکیں خود بخود اس کے رستہ سے دور ہو جاتی ہیں۔

اس کے بعد قوتِ علمی ہے۔ اگر قوتِ علمی کسی میں ہو تو عمل کی جو کمزوری علم کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے وہ بھی دور ہو جاتی ہے۔ جیسے بچے بچپن میں مٹی کھانے کے عادی ہوتے ہیں لیکن جب بڑے ہوتے ہیں تو مٹی کھانا چھوڑ دیتے ہیں اس لئے نہیں کہ انہیں اس بات کا علم حاصل ہو جاتا ہے کہ مٹی کھانا مُضِرّ صحت ہے۔ یا بعض چھوٹے بچے جب ان کا ناک بہہ رہا ہو تو زبان سے اُسے چاٹتے رہتے ہیں لیکن بڑے ہو کر نہیں چاٹتے کیونکہ بعد میں انہیں اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ یہ معیوب بات ہے۔ تو کئی گناہ اور کئی عملی کمزوریاں ایسی ہیں جو علم کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہیں اگر ایسے شخص کا علم مضبوط کر دیا جائے تو وہ گناہ سے بچ جاتا ہے۔

تیسری چیز جس سے عملی کمزوری سرزد ہوتی ہے وہ قوتِ عملیہ کا فُقدان ہے۔ اس قوتِ عملیہ کے فُقدان کے بھی بعض اسباب ہوتے ہیں جن میں سے مثلاً ایک سبب عادت ہے۔ ایک شخص کے اندر کسی قدر قوتِ ارادی بھی ہوتی ہے، اس میں قوتِ علمی بھی ہوتی ہے لیکن وقت پر عادت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ عمل میں کمزوری دکھا دیتا ہے۔ یا ایک شخص جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل ہوسکتا ہے وہ دل میں تڑپ اور خواہش بھی رکھتا ہے کہ اسے خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل ہو لیکن جب وقت آتا ہے تو مادی اشیاء کے لئے جذباتِ محبت یا مادی نقصان کے خیال سے جذباتِ خوف اُس پر غالب آجاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے قُرب کے ذریعہ کو اختیار نہیں کرسکتا ایسے لوگوں کیلئے اندرونی نہیں بلکہ بیرونی علاج کی ضرورت ہؤا کرتی ہے۔ جیسے چھت کی کڑیاں جب گرنے لگیں تو ضروری ہوتا ہے کہ ان کے نیچے سہارا دیا جائے اگر بجائے سہارا دینے کے چھت کے اوپر مٹی ڈالنی شروع کردی جائے تو کڑیاں مٹی کا بوجھ نہیں اُٹھا سکیں گی اور گر جائیں گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایک وقت چھت پر مٹی ڈالنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے مگر دوسرے وقت مٹی ڈالنے کی بجائے چھت کی کڑیوں کے نیچے کوئی سہارا کھڑا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح قوتِ عملی کی انتہائی کمزوری کی صورت میں بیرونی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سہارا کیا ہوسکتا ہے اس کیلئے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک شخص کو کسی بات کا علم پہلے سے حاصل ہو تو سہارا یہ تو نہیں ہوسکتا کہ اسے خدا کے غضب سے خوف دلایا جائے یا اللہ تعالیٰ کی محبت کے حاصل کرنے کی تلقین کی جائے کیونکہ ان باتوں کا تو اسے پہلے سے علم ہے۔ قوتِ ارادی اس میں ہے مگر کامل نہیں، علم ہم نے دیا مگر خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے غضب کا خوف دل کے زنگ کی وجہ سے اس پر اثر نہ کرسکا، اب اس کیلئے کسی اور چیز کی ضرورت ہے اور وہ چیز سوائے اس کے کیا ہوسکتی ہے کہ خدا تو اس کی نظروں سے اوجھل ہے لیکن انسان اس کی نظر سے اوجھل نہیں اسی لئے وہ خدا سے نہیں ڈرتا لیکن بندے سے ڈر جاتا ہے۔ پس اگر ایسے شخص کے دل میں ہم بندے کا رُعب ڈال دیں یا مادی طاقت سے کام لے کر اُس کی اصلاح کریں تو اس کی بھی اصلاح ہوسکتی ہے۔

غرض یہ تینوں قسم کے لوگ دنیا میں موجود ہیں اور دنیا میں یہ تینوں بیماریاں اکٹھی موجود ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے عمل میں کمزوری اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کا ایمان

کامل نہیں ہوتا، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن میں عمل کی کمزوری اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کا علم کامل نہیں ہوتا اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ایمان اور علم رکھتے ہیں لیکن دوسرے ذرائع سے ان کے قلوب پر ایسا زنگ لگ جاتا ہے کہ یہ دونوں علاج ان کیلئے کافی نہیں ہوتے اور ضروری ہوتا ہے کہ ان کیلئے بیرونی ہتھیاروں سے کام لیا جائے۔ جیسے پاؤں کی ہڈی جب بعض دفعہ ٹوٹ جاتی ہے تو ڈاکٹر ہڈی کو جوڑ کر لکڑی کا اسے سہارا دے دیتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد ہڈی اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم ہو جاتی ہے اور سہارے کی اسے ضرورت نہیں رہتی اسی طرح اس قسم کے انسانوں کیلئے بھی کچھ دنوں کیلئے سہارا کی ضرورت ہوتی ہے۔ گو پہلے اس میں کام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی لیکن سہارا لیتے لیتے آخر اسے صحیح طور پر کام کرنے کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سہارے کا محتاج نہیں رہتا۔

ان ذرائع کا جو پہلا حصہ ہے یعنی قوتِ ارادی کی مضبوطی، اس کیلئے خدا تعالیٰ کے انبیاء دنیا میں آتے ہیں اور تازہ اور زندہ معجزات ونشانات دکھاتے ہیں ہماری جماعت کے پاس تو اللہ تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانات کا اتنا وافر سامان موجود ہے کہ اتنا سامان کیا، اس سامان کے قریب قریب بھی کسی کے پاس موجود نہیں اور اسلام کے باہر کوئی مذہب دنیا میں اِس وقت ایسا نہیں جس کے پاس خدا تعالیٰ کا تازہ بتازہ کلام، اس کے زندہ معجزات اور اس کی ہستی کا مشاہدہ کرانے والے نشانات موجود ہوں جو انسانی قلوب کو ہر قسم کی آلائشوں سے صاف کرتے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے لبریز کر دیتے ہیں لیکن باوجود اس ایمان کے اور باوجود ان تازہ اور زندہ معجزات کے پھر کیوں ہماری جماعت کے اعمال میں کمزوری ہے؟ اس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمارے سلسلہ کے علماء اور واعظین نے ان چیزوں کے پھیلانے کی طرف اب تک کوئی توجہ نہیں کی۔ تم یہ دیکھو گے کہ ہمارے علماء جاتے ہیں اور مناظروں میں وفاتِ مسیح پر گلا پھاڑ پھاڑ کر تقریریں کرتے ہیں مگر تم کبھی نہیں دیکھو گے کہ انہوں نے جماعت کے سامنے احمدیت کی صحیح تعلیم پیش کرنے کی کوشش کی ہو اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری جماعت میں ایسے لوگ تو مل جائیں گے جو وفاتِ مسیح کے دلائل جانتے ہوں گے مگر ایسے لوگ بہت کم ملیں گے جنہیں علم ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کو کس رنگ میں پیش کیا، آپ نے معرفت

اور محبتِ الٰہی کے حصول کے کیا طریق بتائے، اس کے قُرب کے حاصل کرنے کی آپ نے کن الفاظ میں تاکید کی، خدا تعالیٰ کے تازہ کلام اور اس کے معجزات و نشانات آپ پر کس شان کے ساتھ ظاہر ہوئے اور چونکہ وفاتِ مسیح کے مسئلہ سے عملی اصلاح نہیں ہوسکتی اس لئے جماعت اس پہلو میں کمزور رہتی ہے پس جب تک اس طرف ہماری جماعت کے علماء توجہ نہیں کرتے اور اس امر کی طرف ویسی ہی توجہ نہیں کرتے جیسی توجہ انہیں کرنی چاہیئے اُس وقت تک جماعت کا وہ طبقہ جو قوتِ ارادی کی کمزوری کی وجہ سے عملی اصلاح نہیں کرسکتا ڈبکیاں کھاتا رہے گا۔ تم اپنے محلوں میں پھر کر دیکھ لو کتنے نوجوان ہیں جنہیں یہ شوق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہو، وہ بھی الہامِ الٰہی کے مورد بنیں اور ان سے بھی خدا تعالیٰ ہمکلام ہو۔ اگر واقعہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام انہیں معلوم ہوتا، اگر انہیں پتہ ہوتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے کس قدر عظیم الشان نشانات دکھائے اور خدا تعالیٰ نے کس طرح آپ سے کلام کیا تو کیا ممکن تھا کہ وہ اس مقام کے حصول کی خواہش نہ کرتے؟ وہ کسی کو اچھا کپڑا پہنتے دیکھتے ہیں تو فوراً اس کی نقل میں اچھا کپڑا پہننا شروع کر دیتے ہیں، وہ کسی کو اچھی ٹوپی پہنے دیکھتے ہیں تو ان کے دل میں بھی خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ بھی اسی قسم کی ٹوپی لیں، پھر کس طرح ممکن ہے کہ انہیں اس بات پر یقینِ کامل ہوتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے الہامات نازل ہوتے تھے، وہ آپ کیلئے تازہ بتازہ نشانات ظاہر کیا کرتا تھا اور ان کے دلوں میں حسرت پیدا نہ ہوتی اور وہ بھی ان باتوں کے حصول کیلئے کوشش نہ کرتے۔ پھر غور کرو کہ کیا واقعہ میں ان میں وحی و الہام کا مورد بننے کی وہی خواہش ہے جو ایک نبی کے قریب زمانہ کے ماننے والوں میں ہونی چاہیئے؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ لڑکے ایک کو اچھی پگڑی پہنے دیکھتے ہیں تو فوراً اس جیسی پگڑی خریدنے کی کوشش کرتے ہیں، عمدہ رومی ٹوپی پہنے دیکھتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ ان کے سر پر بھی ویسی ہی رومی ٹوپی ہو، کسی کے پاس اچھا تولیہ دیکھتے ہیں تو اس کی نقل میں خود بھی ایک اچھا سا تولیہ خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔ غرض وہ ہر چیز کی نقل کرنا چاہتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ یہ عظیم الشان چیز کہ خدا تعالیٰ کا قُرب انسان کو حاصل ہو، اُس کا الہام اُس پر نازل ہو، اس کی وحی کا وہ مورد ہو اور اس کے تازہ اور زندگی بخش کلام کو سننے والا ہو، اس کی نقل کرنے کی وہ کوشش نہیں

کرتے۔ صاف پتہ لگتا ہے کہ انہیں ان چیزوں کا علم نہیں دیا جاتا اور خدا تعالیٰ کے تازہ نشانات کا ان کے سامنے ذکر نہیں کیا جاتا۔

مجھے یاد ہے بچپن میں ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد سخت بیمار تھا اُس نے ایک کپڑے کی خواہش کی (یہ اس کی مرضِ موت تھی)۔ کلکتہ کی کوئی فرم تھی اُس سے وہ کپڑا مل سکتا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ کپڑا اُس کیلئے منگوا دیا مگر اس کے بعد مبارک احمد شاید فوت ہوگیا یا اور زیادہ بیمار ہوگیا کہ اسے اس کپڑے کی خواہش نہ رہی۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ کپڑا ہم تینوں بھائیوں میں بانٹ دیا۔ میں نے اُس کی صدری بنوالی جب میں صدری پہن کر باہر نکلا تو ایک دوست مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے آپ یہیں ٹھہریں مجھے ایک کام ہے میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آگئے۔ میں نے پوچھا کہاں گئے تھے؟ کہنے لگے ایک ضروری کام تھا۔ دو تین دن کے بعد وہ آئے تو انہوں نے بھی ایک صدری پہنی ہوئی تھی۔ کہنے لگے جب میں نے آپ کو صدری پہنے دیکھا تو میں نے کہا میں بھی اب اس قسم کی دھاری دار صدری بنوا کر رہوں گا۔ چنانچہ اُسی وقت مَیں گیا اور بازار سے کپڑا خرید کر صدری سِلوالی۔ خیر اس میں بھی ایک لطیفہ تھا اور وہ یہ کہ ہمارا کپڑا ٹسری تھا اور اس دوست کا کپڑا گبرون یا لدھیانہ کی قسم کا تھا لیکن اس سے اس خواہش کا پتہ چلتا ہے جو دوسروں کی اچھی چیز دیکھ کر انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اب کیا یہ لطیفہ نہیں کہ کسی کی دھاری دار صدری دیکھ کر تو دل بے تاب ہو جائے اور یہ خواہش پیدا ہو کہ کاش! میرے پاس بھی ایسی ہی صدری ہو لیکن الہامِ الٰہی کا ذکر سُن کر اللہ تعالیٰ کے قُرب اور محبت کی باتیں سن کر ہمارے دلوں میں یہ خواہش پیدا نہ ہو کہ ہمیں بھی الہام ہوں، ہمارے لئے بھی خدا تعالیٰ اپنے نشانات دکھایا کرے اور ہمیں بھی اپنی محبت سے نوازے۔ اس کی بڑی وجہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہ ہے کہ ہمارے سلسلہ کے علماء اور ہمارا سمجھدار طبقہ نوجوانوں کے سامنے اس رنگ میں ان باتوں کو پیش نہیں کرتا کہ یہ امور سہل الحصول اور ممکن الحصول ہیں۔ اوّل تو انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا کیا تعلق تھا اور اگر پتہ بھی ہو تو وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ باتیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مخصوص تھیں حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ پس اگر یہ تڑپ ہماری جماعت میں عام ہو جائے تو ایک بہت بڑا طبقہ ہماری جماعت میں ایسا پیدا ہو سکتا ہے

جو گناہ کو بہت حد تک مٹا دے گا۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ گناہ بالکل مٹ جائے گا کیونکہ یہ بہت مشکل بات ہے مگر بہت حد تک گناہ پر غالب آیا جا سکتا ہے یا اکثر حصہ جماعت میں ایسے لوگوں کا پیدا ہو سکتا ہے جو گناہوں پر غالب آ جائے ورنہ کوئی نہ کوئی گناہگار تو ہر جماعت میں موجود ہوتا ہے جیسے کوئی نہ کوئی مریض یورپ میں بھی ہوتا ہے مگر ہندوستان میں چونکہ مریضوں کی کثرت ہے اس لئے ہم کہتے ہیں ہندوستان میں زیادہ بیماریاں ہیں۔ یہاں کی اوسط عمر بیس سال ہے اور یورپ والوں کی اوسط عمر پچاس سال ہے اور گو یہ بھی مرتے ہیں اور وہ بھی، اور یہ بھی بیمار ہوتے ہیں اور وہ بھی لیکن کثرت وقلت کے فرق کی وجہ سے یورپ کو ہندوستان سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ غرض یہ فرق جماعت میں ہو سکتا ہے اور بہت سا حصہ ایسا پیدا کیا جا سکتا ہے جو نیک ہو مگر یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ہماری جماعت کے علماء باہر جا کر وفاتِ مسیح پر زور دینے کی طرح جماعت کی اصلاح کی بھی کوشش کریں اور یہ بتا بتا کر اصلاح کریں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس قدر برکات سے حصہ دیا ہے۔ آپ پر کس طرح الہامات نازل ہوتے تھے، کس طرح اللہ تعالیٰ سے آپ محبت کرتے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کی تائید کیلئے کیسے کیسے عظیم الشان نشان ظاہر فرماتا تھا اور آپ کیلئے کس طرح اپنی غیرت کا اظہار کیا کرتا تھا اور یہ کہ یہ باتیں انہیں بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر یہ باتیں بار بار جماعت کے سامنے بیان کی جائیں تو یقیناً اس میں طاقت پیدا ہو سکتی ہے اور اس کی قوتِ ارادی ایسی مضبوط ہو سکتی ہے کہ وہ ہزاروں گناہوں پر غالب آ جائے اور ان سے ہمیشہ کیلئے محفوظ رہے۔

دوسری چیز علمی قوت ہے جو اصلاحِ اعمال میں مُمِدّ ہوتی ہے۔ اس کے متعلق میں بتا چکا ہوں کہ غلطی سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ کچھ گناہ بڑے ہوتے ہیں اور کچھ چھوٹے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن گناہوں کو وہ چھوٹا سمجھتے ہیں وہ ان کے قلوب میں راسخ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اگر ہمارے علماء اس بات پر زور دیں اور لوگوں کو بتایا کریں کہ کوئی گناہ چھوٹا نہیں ہوتا ہر گناہ خطرناک زہر ہے تو جماعت کی بہت کچھ اصلاح ہو جائے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے سال بھر میں ایک مولوی ایک لیکچر بھی اس قِسم کا نہیں دیتا اگر وہ اس قسم کے لیکچر دیتے تو یقیناً لوگوں کی اصلاح ہو جاتی۔ خصوصیت سے اس قسم کے لیکچروں کی کالجوں، سکولوں اور مدرسوں میں ضرورت ہؤا کرتی

ہے مگر جا کر سکول میں دریافت کریں کہ اس قسم کے کتنے لیکچر لڑکوں کے سامنے دیئے جاتے ہیں۔ بعض دفعہ تمہیں معلوم ہوگا کہ پانچ سال سے تمہارا لڑکا سکول میں داخل ہے مگر اس قسم کی باتیں ایک دفعہ بھی اس کے کانوں میں نہیں پہنچائی گئیں حالانکہ یہ وہ چیزیں ہیں جو روزانہ لڑکوں کے سامنے بیان ہونی چاہئیں۔ پس علمی کمزوری کی وجہ سے بھی بہت سی غلطیاں ہو جاتی ہیں مگر ہمارے سکولوں میں اس قسم کی علمی کمزوری کو دور کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی بلکہ اُلٹا ایسی تعلیم دی جاتی ہے جو اخلاق کو خراب کرنے والی ہوتی اور خیالات کو پراگندہ کرنے والی ہوتی ہے۔ چنانچہ سکولوں میں یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اگر کسی عورت سے کوئی غیر مرد محبت کرے اور وہ اس کی خواہشوں کا جواب نہ دے تو وہ بے وفا ہوتی ہے۔ ہماری پُرانی شاعری میں اس کے سِوا اور ہے ہی کیا۔ یہی اس میں ذکر آتا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی لڑکی کو اپنے قابو میں لانا چاہے اور وہ اس کا کہا مان لے تو وہ باوفا ہے، ورنہ بیوفا اور ظالم ہے۔ یہ تعلیم اُس وقت دی جاتی ہے جب لڑکی اور لڑکے کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہوس کیا ہوتی ہے، محبت کیا ہوتی ہے اور عشق کیا ہوتا ہے اور وصل کیا ہوتا ہے مگر وہ شعر پڑھتا اور آہیں بھرتا ہے اور جب اس میں مادہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے سامنے اس قسم کا کوئی منظر آتا ہے تو وہ کہتا ہے اب مجھے ظالم نہیں بلکہ باوفا بننا چاہئے۔ پس سکولوں میں اچھی تعلیم تو کیا بُری تعلیم دی جاتی ہے اور ہماری احمدیہ جماعت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں اِسی لئے میں نے کہا ہے کہ جب تک تعلیم کے کورس بدل نہیں دیئے جاتے، جب تک پرانی شاعری کو لعنت قرار دے کر اُسے الگ پھینک نہیں دیا جاتا، جب تک اس شاعری کا شوق رکھنے والوں کو سزائیں نہیں دی جاتیں اور جب تک ان اشعار کی جگہ ایسے اشعار نہیں پڑھائے جاتے جو اخلاق کیلئے مفید ہوں اُس وقت تک اصلاح کبھی نہیں ہوسکتی۔

تیسری چیز دوسرے کا سہارا ہے جو دو قسم کا ہوتا ہے ایک نگرانی کا اور دوسرا جبر کا۔ یعنی کچھ حصہ سہارے کا ایسا ہوتا ہے جو نگرانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً ایک دوست پاس بیٹھ جاتا ہے اور وہ کہتا ہے میں تمہیں فلاں بدی کا ارتکاب کرنے نہیں دوں گا اور ایک سہارا ایسا ہوتا ہے جو جبر پر مشتمل ہوتا ہے۔ یعنی اسے مارا پیٹا جاتا ہے، اس پر جُرمانہ کیا جاتا ہے، اس کا بائیکاٹ کیا جاتا ہے اور اس طرح اسے مجبور کر دیا جاتا ہے کہ وہ نیک اعمال اختیار کرے۔ اس جبر کے نتیجہ میں گو ابتداء

میں وہ جبراً نیکی کے اعمال بجالاتا ہے لیکن آہستہ آہستہ اس کے دل میں بھی ایمان پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے اور وہ خوشی سے نیک اعمال میں حصہ لینے لگ جاتا ہے۔ یہ ذرائع ہیں جن سے بُرے اعمال کا علاج کیا جاسکتا ہے بغیر ان ذرائع کو اختیار کئے اصلاح اعمال میں کبھی کامیابی نہیں ہوسکتی۔ یعنی ایمان کا پیدا کرنا، علم صحیح کا پیدا کرنا، نگرانی کرنا اور جبر کرنا یہ چار چیزیں ہیں جن کے بغیر تمام قوم کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

دنیا میں ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جو ایمانی قوت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ ایسے لوگوں کے قلوب میں اگر قوت ایمانیہ بھر دی جائے تو ان کے اعمال درست ہوجاتے ہیں لیکن ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جو عدمِ علم کی وجہ سے گناہوں کا شکار ہوتا ہے اس کیلئے علمِ صحیح کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک طبقہ جو نیک اعمال میں حصہ لینے کیلئے دوسروں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے وہ نگرانی کا مستحق ہوتا ہے اور وہ طبقہ جو بالکل گِرا ہؤا ہو وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے اور جب تک اسے سزا نہ دی جائے اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ اگر ہم ان چاروں ذرائع کو اختیار کریں گے تو ہم کامیاب ہوں گے اور اگر ہم ان چاروں ذرائع میں سے ایک ذریعہ کو بھی چھوڑ دیں گے تو کامیابی حاصل نہیں کرسکیں گے کیونکہ جس زمانہ میں مذہب کے پاس نہ حکومت ہو نہ تلوار اُس زمانہ میں یہ چاروں علاج ضروری ہوتے ہیں۔ مگر یہ کہ پہلے دو ذرائع چھوڑ کر مؤخرالذکر دو ذرائع کی تفصیل کیا ہے اور کس کس طرح ان پر عمل کرنا چاہئے اس کے متعلق میں بتا چکا ہوں کہ یہ میری تحریک جدید کا دوسرا حصہ ہے اور انہیں اُسی وقت بیان کیا جائے گا جب تحریک جدید کے دوسرے حصہ کو پیش کرنے کا وقت آیا۔ لیکن اصول مَیں نے بیان کردیئے ہیں اور اس سے دوست بہت حد تک فائدہ بھی اُٹھا سکتے ہیں لیکن دو چیزیں ایسی ہیں جن پر عمل شروع ہوجانا ضروری ہے۔ ان میں سے پہلی چیز جس پر ابھی سے عمل شروع کردینا چاہئے یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نشانات، آپ کی وحی، آپ کے الہامات اور آپ کے تعلق باللہ کا متواتر لوگوں کے سامنے ذکر کیا جائے اور ہر شخص کو بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے قُرب کی کیا فوائد ہیں، اس کی محبت انسان کو کس طرح حاصل ہوسکتی ہے اور اس کا پیار جب کسی انسان کے شاملِ حال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے کس طرح امتیازی سلوک کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ بے شک زندہ آسمان پر بیٹھے رہیں، ان کا آسمان پر زندہ بیٹھے رہنا اتنا نقصان دہ نہیں جتنا خدا تعالیٰ

کا ہمارے دلوں میں مُردہ ہوجانا نقصان دہ ہے۔ پس کیا فائدہ اس بات کا کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر زور دیتے ہو جبکہ دوسری طرف خدا تعالیٰ کو لوگوں کے دلوں میں تم مار رہے ہو اور اسے زندہ کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ بے شک حی و قیوم ہے اور وہ کبھی نہیں مرتا مگر بعض انسانوں کے لحاظ سے وہ مر بھی جاتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اپنے ایک استاد کا جو بھوپال کے رہنے والے تھے واقعہ سنایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں انہوں نے ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا کہ بھوپال کے باہر ایک پُل ہے وہاں ایک کوڑھی پڑا ہوا ہے۔ جو کوڑھی ہونے کے علاوہ آنکھوں سے اندھا ہے، ناک اس کا کٹا ہوا ہے، انگلیاں اس کی جھڑ چکی ہیں اور تمام جسم میں پیپ پڑی ہوئی ہے اور مکھیاں اُس پر بھنبھنا رہی ہیں۔ وہ کہتے ہیں مجھے اسے دیکھ کر سخت کراہت آئی اور میں نے پوچھا بابا تُو کون ہے؟ وہ کہنے لگا میں اللہ میاں ہوں۔ یہ جواب سن کر مجھ پر سخت دہشت طاری ہوئی اور میں نے کہا تم اللہ میاں ہو۔ آج تک تو سارے انبیاء دنیا میں یہی کہتے چلے آئے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ خوبصورت ہے اور اس سے بڑھ کر اور کوئی حسین نہیں، ہم جو اللہ تعالیٰ سے عشق اور محبت کرتے ہیں تو کیا اسی شکل پر؟ اس نے کہا انبیاء جو کچھ کہتے آئے وہ ٹھیک اور درست ہے میں اصل اللہ میاں نہیں میں بھوپال کے لوگوں کا اللہ میاں ہوں یعنی بھوپال کے لوگوں کی نظروں میں مَیں ایسا ہی سمجھا جاتا ہوں۔ تو اللہ میاں یوں تو نہیں مرتا مگر جب کوئی انسان اسے بھلا دیتا ہے تو اس کے لحاظ سے وہ مر جاتا ہے۔ تو عجیب بات ہے ہمارے علماء حضرت عیسیٰؑ کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کو زندہ کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ کسی وقت اگر یہ سوال پیدا ہو جائے کہ عیسیٰ مر جائے مگر ساتھ خدا تعالیٰ بھی مر جائیں گے تو یقیناً ہم یہی کہیں گے کہ اگر عیسیٰ زندہ رہتا ہے تو زندہ رہنے دو لیکن خدا کو مرنے نہ دو کیونکہ اگر خدا زندہ رہا تو وہ زندہ عیسیٰ کی وجہ سے بھی دنیا میں کوئی بگاڑ پیدا نہیں ہونے دے گا۔

غرض اصل مضامین جن کی طرف ہمارے مبلغین کو توجہ کرنی چاہئے اُن کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اور نہ دلوں میں ایمان پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ خشک دلائل سے لوگوں کے قلوب پر اثر ڈالا جاتا ہے حالانکہ جس کے پاس اللہ تعالیٰ کے تازہ نشانات اور معجزات ہوں اور جو

مشاہدہ اور رؤیت کے طور پر خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت دے سکتا ہوا ُسے خشک دلائل سے خدا تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کوئی احمق ہی ہوگا کہ جب اُس سے ایسی حالت میں جبکہ سورج چڑھا ہؤا ہو سورج کے چڑھنے کا ثبوت مانگا جائے تو وہ دلائل دینا شروع کر دے اور کہنے لگ جائے کہ سورج کی روشنی سفید ہوتی ہے، جب اُس کی روشنی زمین پر پھیلتی ہے تو ہر چیز نظر آنے لگتی ہے، اتنے بجے چڑھتا ہے اور اتنے بجے غروب ہوتا ہے۔ کیا دنیا میں تم نے کوئی ایسا گدھا اور بیوقوف بھی دیکھا ہے جو سورج کی موجودگی میں سورج کے چڑھنے کے دلائل دیتا ہو۔ ایسی حالت میں تو جب کوئی سورج کے طلوع ہونے کا ثبوت مانگے ایک ہی علاج ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اُس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اُس کا منہ سورج کی طرف کر دو اور کہو دیکھ لو یہ سورج ہے۔ خدا تعالیٰ بھی اِس وقت ہمارے سامنے جلوہ گر ہے، وہ بھی عُریاں ہو کر اپنی تمام صفات کے ساتھ دنیا کے سامنے رونما ہو گیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ وہ اپنے سارے حُسن کے ساتھ جلوہ نما ہے ایسی حالت میں اگر ہمارے واعظ اور مبلغ خشک دلائل دینے میں لگے رہتے ہیں تو اُن جیسا احمق اور بیوقوف کون ہوسکتا ہے۔ ایسی صورت میں تو ایک ہی علاج ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ لوگوں کے کلّے پکڑ کر اُن کی آنکھیں اوپر کو اٹھا دی جائیں اور کہا جائے دیکھ لو وہ خدا ہے جس نے اپنے تازہ نشانات سے دنیا پر اپنے وجود کو ثابت کیا ہے۔ یہی چیز ہے جو جماعت کی عملی قوت کو مضبوط کر سکتی ہے۔ تم بچوں، جوانوں، مَردوں، عورتوں اور نو وارد احمدیوں کے سامنے یہ باتیں پیش کرو۔ انہیں بتاؤ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر ہؤا، انہیں سمجھاؤ کہ خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے کے کیا ذرائع ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کس طرح حاصل ہوسکتی ہے۔ پھر دیکھو گے کہ وہی لڑکے جو دھاری دار صدریوں کی نقل کرنے کا شوق رکھتے ہیں خدا تعالیٰ سے ملنے کی تڑپ بھی اپنے دلوں میں پیدا کریں گے اور اس کے قُرب میں بڑھتے چلے جائیں گے۔

پھر جن میں علم کی کمی ہے اس ذریعہ سے ان کی علمی کمی بھی دور ہو جائے گی۔ اب تو ایسا ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک معمولی سی بات پر ہم میں سے کسی کو ابتلاء آجاتا ہے۔ مثلاً پانچ روپے اس نے کسی کے دینے تھے مگر وہ دیتا نہیں تھا خلیفۂ وقت کے سامنے معاملہ پیش ہؤا تو اس نے پانچ روپے لے کر اس مستحق کو دلوا دیئے پس اتنی سے بات پر اُسے ابتلاء آجاتا ہے اور وہ لوگوں سے کہنا شروع

کر دیتا ہے کہ خلیفہ نے پانچ روپے مجھ سے ناحق لے کر دوسرے کو دے دیئے۔ یہ الگ سوال ہے کہ وہ پانچ روپے اس کے نہیں تھے بلکہ دوسرے ہی کے تھے بلکہ سوال یہ ہے کہ اگر مبلغین اور واعظین کے ذریعہ بار بار جماعتوں کے کانوں میں یہ آواز پڑتی رہے کہ پانچ روپیہ کیا، پانچ ہزار روپیہ کیا، پانچ لاکھ روپیہ کیا، پانچ ارب روپیہ کیا اگر ساری دنیا کی جانیں بھی خلیفہ کے ایک حکم کے آگے قربان کر دی جاتی ہیں تو وہ بے حقیقت اور ناقابلِ ذکر چیز ہیں تو اس قِسم کے ابتلاء جماعت کے لوگوں پر کیوں آئیں۔ پھر اگر انہیں بار بار بتایا جائے کہ ساری برکت نظام میں ہے، انہیں سمجھایا جائے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کسی قوم میں سے نظام اٹھا لیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس قوم پر اپنی لعنت ڈالنا چاہتا ہے۔ اگر یہ باتیں ہر مَرد، ہر عورت، ہر بچے اور ہر بوڑھے کے ذہن نشین کی جائیں اور ان کے دلوں پر ان کا نقش کیا جائے تو وہ ٹھوکریں جو عدمِ علم کی وجہ سے لوگ کھاتے ہیں کیوں کھائیں۔ مگر قادیان میں ہی بعض مجلسوں میں یہ تو سننے میں آجائے گا کہ خلیفہ خدا تھوڑا ہی ہوتا ہے وہ بھی غلطی کر سکتا ہے جیسے عام انسان غلطی کر سکتے ہیں۔ مگر اس قِسم کے الفاظ لوگوں کے منہ سے کم سنائی دیں گے کہ خدا تعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ خلفاء جن امور کا فیصلہ کیا کرتے ہیں ہم ان امور کو دنیا میں قائم کر کے رہتے ہیں۔ وہ فرماتا ہے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ [۳] یعنی وہ دین اور وہ اصول جو خلفاء دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں ہم اپنی ذات کی ہی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم انہیں دنیا میں قائم کر کے رہیں گے۔ پس اگر یہ باتیں لوگوں کو سنائی جائیں تو کیوں معمولی معمولی باتوں پر وہ ٹھوکریں کھائیں۔ پس سب سے اہم ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حافظ روشن علی صاحب مرحوم کے بعد اور کوئی عالم ایسا نہیں نکلا جس نے اس ذمہ داری کو پوری طرح سمجھا ہو۔

حافظ روشن علی صاحب مرحوم صرف ایک عالم ہی نہیں تھے بلکہ انہیں لوگوں کی اصلاح کا خیال رہتا تھا اور وہ ہر معاملہ میں دخل دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ لوگوں میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو حالانکہ انہیں کوئی غیر معمولی طاقتیں حاصل نہیں تھیں، ان کی نظر کمزور تھی اور ان کے قویٰ بھی کمزور تھے مگر چونکہ ان کی قوتِ ارادی اور ایمان بہت مضبوط تھا اس لئے وہ سب کام بخوبی کرتے تھے۔ اگر ہمارے علماء اس طرف توجہ کریں اور اپنے لوگوں کی عملی اصلاح کو وہ غیروں کے عقیدوں کی

اصلاح کے برابر ہی ضروری سمجھیں تو چند دن کے اندر ہی کایا پلٹ سکتی ہے اور اس کے نتیجہ میں جو دوسرے قدم ہیں اُن کا اُٹھانا بھی ہمارے لئے آسان ہو سکتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ گو یہ مضمون نہایت ہی اہم ہے مگر چونکہ اب عصر کا وقت قریب ہو رہا ہے اور میرا گلا بھی بیٹھ گیا ہے اس لئے میں اصلاحِ اعمال کے متعلق اپنے خطبات کو موجودہ صورت میں ختم کرتا ہوں کیونکہ میں نے بتایا ہے کہ اس مضمون کے زیادہ تر حصے ایسے ہیں جو تحریک جدید کے دوسرے حصہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا اُسی وقت بیان کرنا مناسب ہے لیکن اس سے پہلے ہماری جماعت کے علماء لوگوں کو تیار کر سکتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ بھی جن کو خدا تعالیٰ نے علم وفہم بخشا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی خشیت اپنے دلوں میں رکھتے اور الٰہی محبت کے حاصل کرنے کی خواہش اپنے قلوب میں پاتے ہیں لوگوں کو اس رنگ میں تیار کر سکتے اور ان کے اعمال کی اصلاح میں حصہ لے سکتے ہیں اور میرے کام میں سہولت پیدا کر کے خدا تعالیٰ کی نظر میں خلیفۂ وقت کے نائب قرار پا سکتے ہیں۔

اس کام کا طریق میں بتا چکا ہوں جو یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکات اور آپ کے فیوض لوگوں پر ظاہر کئے جائیں، خدا تعالیٰ کے زندہ نشانات کا بار بار ذکر کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے قُرب کے حصول کے ذرائع لوگوں کو بتائے جائیں، خلیفۂ وقت کی اطاعت اور نظام کی فرمانبرداری کی تلقین کی جائے اور ان لوگوں کے اعتراضات اور وساوس سے انہیں محفوظ رکھا جائے، جو نابینا ہو کر ایک بینا پر اعتراض کرتے ہیں، جو لولے لنجے ہو کر اُس شخص پر اعتراض کرتے ہیں جو چلتا پھرتا ہے یعنی خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ پر۔ وہ آپ تو نکمّے ہی تھے مگر وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی نکمّا کر دیں اور انہیں بھی اپنی طرح گمراہی میں مبتلا کر دیں۔ ان کے مقابلہ میں اگر وہ لوگ جنہیں خدا تعالیٰ نے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں اور عقل وسمجھ سے انہیں حصہ دیا ہے کام کریں اور جماعت کی تربیت کریں تو آج ہی نقشہ بدل جائے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ وفاتِ مسیحؑ اور ختمِ نبوت کے مسائل میں ہی مشغول رہتے ہیں حالانکہ جس حصہ کی طرف ان کی توجہ ہے وہ علمی ہے اور جس حصہ کی طرف میں انہیں متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ عملی اور عرفانی ہے۔ علم اور چیز ہے اور عرفان اور چیز۔ ہمیں جو وفاتِ مسیح وغیرہ کے مسائل کے متعلق علم کی ضرورت ہے وہ دشمن کیلئے ہے لیکن عمل اور عرفان کی اپنی جماعت کیلئے ضرورت ہے مگر ہمارے علماء کی ساری توجہ اِس وقت

غیر احمدیوں کی طرف ہے اپنی جماعت کی طرف نہیں۔ اپنی جماعت کے متعلق غالباً وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ چاہے ڈوبے یا مرے ہمیں اس سے کیا کام ہے حالانکہ اگر وہ قلوب کی اصلاح کریں اور لوگوں کے دلوں میں عرفان اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کریں تو کروڑوں کروڑ لوگ احمدیت میں داخل ہونے لگ جائیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ [۴] کہ اگر تبلیغ کے ذریعہ تم اپنے مذہب کی اشاعت کرو گے تو ایک ایک دو دو کر کے لوگ تمہاری طرف آئیں گے لیکن اگر تم استغفار اور تسبیح کرو اور اپنی جماعت سے گناہ دور کر دو تو پھر فوج در فوج لوگ آئیں گے اور تمہارے اندر شامل ہو جائیں گے۔ تو جو ذرائع مَیں بتا رہا ہوں اُن پر عمل کرنے سے لاکھوں اور کروڑوں لوگ احمدیت میں داخل ہو سکتے ہیں مگر جو طریق تم اختیار کئے ہوئے ہو اس سے سینکڑوں سال میں بھی ہماری جماعت ساری دنیا میں نہیں پھیل سکتی۔ اگر ہمارے اعمال اچھے ہوں، ہم میں دیانت اور امانت پائی جاتی ہو اور ہم اتنی حلال روزی کما کر کھانے والے ہوں کہ جس کام پر مقرر کئے جائیں اُس کو پوری تندہی، پوری خوش اسلوبی اور پوری دیانتداری کے ساتھ کریں تو ہر جگہ کی نوکریاں مل سکتی ہیں اور وہی انگریز جو آج کہتے ہیں کہ احمدیوں کو نوکریاں نہ دو ترلے اور منتیں کر کر کے تمہیں نوکریاں دینے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔

مسٹر سٹرک لینڈ کوآپریٹو سوسائیٹیز کے ایک انگریز رجسٹرار تھے وہ شملہ میں ایک دفعہ مجھے ملے اور کہنے لگے آپ کے چندہ وصول کرنے والے کس دیانتداری سے کام لیتے ہیں میں تو جسے مقرر کرتا ہوں وہ تھوڑے دنوں میں ہی خائن ثابت ہو جاتا ہے اور مجھے اسے نکالنا پڑتا ہے۔ میں نے کہا ہمارے ہاں کوئی بددیانتی نہیں کرتا کیونکہ ان کا ایمان ہے کہ بددیانتی انسانی ایمان کو ضائع کر دیتی ہے۔ وہ اُس وقت چھٹی پر جا رہے تھے کہنے لگے اگر میں واپس آیا تو حکومت سے درخواست کروں گا کہ کوآپریٹو سوسائیٹیز کے انسپکٹر پہلے چھ ماہ کیلئے امام جماعت احمدیہ کے پاس بھیج دیئے جایا کریں تا کہ وہ ان میں دیانت کی روح پیدا کر دیں۔ انہوں نے احمدیت کا کافی مطالعہ کیا ہوا تھا اور وہ احمدیت سے بہت ہی متأثر تھے مگر انہوں نے تو صرف سطحی نگاہ سے جماعت کو دیکھ کر اس رائے کا اظہار کیا تھا لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہم میں بھی کمزور لوگ موجود ہیں اور اگر واقعہ میں ہم

میں اس قسم کی کمزوریاں نہ رہیں تو اس میں کیا شبہ ہے کہ گورنمنٹ منتیں کر کر کے ہم سے آدمی مانگے اور وہ ہمارے دیانتدار آدمیوں کو اپنے محکموں کا نگران مقرر کرنے کیلئے منتیں کرے۔ پس یہ طریق ہے جس سے جماعت کی عملی اصلاح ہوسکتی ہے ورنہ خالی وفاتِ مسیح اور ختمِ نبوت کے مسائل بیان کرنے سے جماعت کی عملی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان مسائل کا بیان کرنا ضروری نہیں وہ بھی ضروری ہیں مگر وہ ایک ابتدائی حربہ ہیں۔ وہ ایسے ہی ہیں جیسے کلہاڑا لے کر ایک پہاڑ کو توڑا جائے مگر جو طریق میں نے بتایا ہے وہ ایسا ہے جیسے پہاڑ کے نیچے ڈائنا مائٹ رکھ کر اسے ضرب لگا دی جائے۔ پس پیشتر اس کے کہ ایک تحریک جدید کا دوسرا حصہ آئے میں علماء سے امید کرتا ہوں کہ وہ ان لائنوں پر جماعت کو تیار کرنے کی کوشش کریں گے تا کہ وقت آنے پر جماعت کا کچھ حصہ فیل نہ ہو جائے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کا کام ہے اور بہر حال ہو کر رہے گا لیکن اگر تحریک جدید کے اس دوسرے حصہ کو بیان کرتے وقت دس بیس ٹھوکر کھا کر مرتد ہو جائیں تو ان کا ارتداد بھی ہمارے لئے تکلیف دہ ہوگا۔ کسی کے اگر ہزار بچے بھی ہوں تو بھی وہ پسند نہیں کرسکتا کہ اس کا کوئی بچہ مر جائے پھر ہم کب پسند کر سکتے ہیں کہ جب ہم اصلاح جماعت کیلئے کوئی عملی قدم اُٹھائیں تو دس بیس یا پچاس سَو مرتد ہو جائیں۔ پس دوستوں کو دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے قلوب کی اصلاح کرے اور اس کی خامیوں اور نقائص کو دور کرے تا جس وقت عملی اصلاح کیلئے قدم اٹھایا جائے وہ اُس وقت لَبَّیْکَ کہہ کر آگے آ جائیں اور دلی شوق سے ان پر عمل کرنے لگیں کسی دوسرے کو انہیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔

(الفضل ۱۹؍ جولائی ۱۹۳۶ء)

۱؎ البقرۃ: ۱۳۹

۲؎ بخاری کتاب التفسیر باب لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الخ)

۳؎ النور: ۵۶ ۴؎ النصر: ۲ تا ۴